دھخدا کی طنز نویسی کے سیاسی محرکات

Dehkhuda's Satire and its political ambitions (Triggers)

یوسف حسین اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، جامعہ پشاور

ABSTRACT:
The world knows Ali Akbar Dehkhoda more than the Dehkhoda dictionary he compiled. Apart from being a compiler of a comprehensive dictionary and encyclopedia, he was also a satirist, but his earlier work was so pervasive in the literary world that people were unaware of his other literary contributions. This article discusses the political satire of his satirical writings and links the political motives of his satire to the conditions of the Iranian journalistic, political and literary movement "Constitutional Moment" in the early twentieth century. In contrast to the classical satire and humour of Persian literature, the satire of Dehkhoda has a political sting and reflects the spirit of the age.

KeyWords: Satire; Political Satire; Political Satire in Persian Literature; Satire in Political movements of Iran.

کلیدی الفاظ: علی اکبر دہخدا؛ سیاسی طنز نویسی؛ دہخدا اور تحریک مشروطیت

علی اکبر دہخدا کو دنیا انکی مرتب کردہ لغت نامہ دہخدا کی نسبت سے جانتی ہے۔ ایک جامع فرہنگ لغات اور انسائکلوپیڈیا کے مدون کے علاوہ وہ ایک طنز نویس بھی تھے لیکن انکا اول الذکر کارنامہ ادبی دنیا میں اتنی شہرت حاصل کر گیا کہ انکی دیگر ادبی خدمات سے لوگ بے خبر رہے۔ اس مقالہ میں انکے لکھے گئے پراگندہ صورت میں سیاسی طنز نویسی کو زیر بحث لایا گیا ہے اور انکی طنز نویسی کے سیاسی محرکات کو بیسویں صدی کے اوائل میں ایران کی صحافتی، سیاسی و ادبی تحریک "نہضت مشروطہ" کے حالات سے جوڑا گیا ہے۔ فارسی ادب کے کلاسیکی طنز و مزاح کے برعکس دہخدا کا طنز سیاسی رنگ رکھتا ہے اور روح عصر کا عکاس ہے۔

بیسویں صدی کے فارسی ادب میں طنز

علی اکبر دہخدا (۱۸۷۹ء۔ پیدائش) کو اہل ادب ایک ماہر لسانیات اور فرہنگ دہخدا کے مدون کے طور پر جانتے ہیں۔ فارسی زبان و ادب کے لیے انکی خدمات پوشیدہ نہیں۔ لغت نامہ دہخدا جیسی جامع و ضخیم لغت نامہ اور دائرۃ المعارف سے لیکر ضرب الامثال کے مجموعہ "امثال و حکم" تک لسانیات کے میدان میں

نمایاں خدمات کے عکاس ہیں اور انکی نثری مجموعہ "چرند و پرند" فارسی زبان و ادب کا ایک بیش بہا سرمایہ ہیں۔ اہل ادب میں سے کم لوگوں کے علم میں ہو کہ علی اکبر دھخدا ایک نثر نگار کے ساتھ ساتھ ایک شاعر اور طنز نویس بھی تھے۔ اس مقالہ میں طنز و مزاح کے میدان میں انکی تحریروں کا جایزہ پیش کیا جاتا ہے۔ طنز کی تعریف اور اسکے انداز، فارسی ہجو کے انواع اور تحریک مشروطیت کے دوران شاعروں، لکھاریوں اور حتیٰ صحافیوں کا سیاسی طنز کی طرف رجوع کرنے کے محرکات کو مقالہ میں احاطہ کیا جاتا ہے۔

ادبیاتِ عالم میں طنز و مزاح اور ہجو ادب میں ایک چاشنی کے طور پر اور بعض ادوار میں عصری روح کو اجاگر کرنے کی خاطر اہمیت رکھتے ہیں۔ مختلف ادوار اور معاشروں میں شاعروں اور ادیبوں نے اس وصف کو ایک اصلاحی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ مغربی کلاسیکی ادب میں، طنز کی جڑیں قدیم یونانی اور رومی ادب سے جاملتی ہیں۔ روم کے پہلے طنز نویس شاعر آرخی لوخی (ساتویں صدی قبل مسیح) ہیں۔ طنز میں بعض اوقات سیاسی ہجو کی آمیزش دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر کراتینوس کے ڈرامے اس وقت کے حکمران پر طنزیہ نثری ہجو ہے۔ اسی طرح کلئون نامی ڈرامہ کے مصنف ارسطوفانس کی سیاست دانوں کو ہجو کا نشانہ بنانے کے جرم میں پابند سلاسل کیا گیا۔ (۱) گویا طنز و مزاح گرچہ پڑھنے والوں کے لیے باعث تفنن تھا لیکن تخلیق کاروں کو اسکی پاداش صعوبتوں کی صورت میں ملی۔

فارسی شعر و نثر میں بھی اسکی عمر فارسی ادبیات کے ابتدائی دور سے وابستہ ہے۔ فارسی ادب میں ہجو نویسی کی روایت قدیم ہے۔ فارسی کلاسیکی ادب کی نظم و نثر میں سیاسی و سماجی طنز کے کئی نمونے ملتے ہیں۔ ہجو نویسی کے مقابلے میں طنز و استہزاء کی تحریر میں آیرنی (Irony) زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس طرز میں کسی کے کردار کی نادرستی پر وار کیا جاتا ہے۔ کسی فرد کے مفاسد کو سماج کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ یا طنز نویس پورے سماجی رویے کو دیکھ کر سماج کے سامنے آئنہ رکھتا ہے۔ کامیڈی یا طربیہ کے برعکس اس میں طنز نویس کا مافی الضمیر لوگوں کو محض تفنن طبع کی خاطر ہنسانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اصلاحی پہلو مد نظر ہوتا ہے۔ چونکہ کامیڈی میں ہنسی کو تحریک دینا مزاح کا ہدف ہوتا ہے جبکہ طنز میں معایب کو آشکار کرکے ذہنوں کو معایب سے روشناس کرانا ہوتا ہے۔ اسلیے طنز نویس بظاہر انسان کو ہنساتا ہے لیکن باطن میں انسان کو سوچنے پر آمادہ کرتا ہے۔ اسمیں بشری خامیوں اور کج رویوں کو مبالغہ آمیز انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ اہل ادب کی نظر میں طنز نویسی کا مقصد کسی کا استہزاء یا اذیت رسانی نہیں بلکہ اصلاح ہوتا ہے۔ فارسی میں طنز نویسی نایاب ہے۔ اس وصف نے ہجو نویسی کی گود میں پرورش پائی۔ فارسی ادب میں طنز نویسی کا باقاعدہ آغاز صوفیانہ ادب سے ہوا۔ جسکی ایک مثال شیخ فریدالدین عطار نیشاپوری کی کتاب الٰہی نامہ میں وقت کے جابروں پر طنز ہے۔ الٰہی نامہ میں ایک فلسفیانہ طنز موجود ہے جسکا مضمون کچھ یوں ہے:

کہتے ہیں کہ ایک خبطی شخص نیشاپور کے مضافات میں پھر رہا تھا، سبزہ زار میں بیل گائے دیکھ کر پوچھا کہ یہ کس کی ہیں؟ کہا گیا: عمید نیشاپوری کی ملکیت ہے۔ آگے بڑھا ایک اور مقام پہ گھوڑوں کو دیکھ کر پوچھا یہ کس کی ہیں؟ کہا گیا: یہ بھی عمید نیشاپوری کے ہیں۔ پھر بھیڑ بکریوں کے ایک ریوڑ کو دیکھ کر پوچھا اسکا مالک کون ہے؟ کہا گیا: یہ بھی عمید کے ہیں۔ جب شہر میں آیا غلاموں کا ایک ٹولہ گذر رہا تھا پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا: یہ سارے عمید کے غلام اور نوکر چاکر ہیں۔ آگے ایک کاروان سرائے پہ نظر پڑی پوچھا اسکا مالک کون ہے؟ کہا گیا: کیا اتنا بھی نہیں جانتے، یہ عمید نیشاپوری کی سرائے ہے۔ خبطی شخص

نے سرپہ فرسودہ پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ پگڑی اتار کر آسمان کی طرف پھینک دی اور سر اوپر اٹھا کر کہا: اسکو بھی عمید نیشاپور کو دے دیں کیونکہ سب کچھ تو اسکو دیا ہے۔ اسکے علاوہ فارسی کے معروف ہجو گو اور فحش گو شاعر عبید ذاکانی کی کتاب رسالہ دلکشا بھی ہجو کے ساتھ ساتھ سیاسی و سماجی طنز سے بھری ہوئی ہے۔ جب ہم فارسی ادب میں طنز و مزاح اور ہجو گوئی کا ذکر کرتے ہیں تو سرفہرست عبید ذاکانی کا نام ہی آتا ہے کیونکہ ان کے دور میں اس وصف کو بیشتر پذیرائی ملی۔ یہ طنز و مزاح ہندوستان کے فارسی ادباء و شعراء کے ہاں بھی کافی مقبول ہوا۔ جعفر زٹلی جیسے نمایاں ہزل گو اور ہجو نویس نے فارسی اور اردو میں ہجو اور طنز نویسی میں اپنی شناخت بنائی۔

فارسی ادب کے جس دور میں سیاسی و سماجی طنز اور ہجو اپنے اعلیٰ علیین تک پہنچا وہ نہضت مشروطہ یا مشروطیت کا ہیجانی دور تھا۔ ایران میں سیاسی و سماجی طنز، تحریک مشروطیت کے دور میں بلندیوں تک پہنچا اور طنز نویسی محض تفنن طبع کی خاطر نہیں کی گئی بلکہ سیاسی و نظریاتی رجحانات کے ساتھ حکمرانوں کی کجرویوں اور خام کاریوں کو عوام کے سامنے بے نقاب کرنے کے لیے کی گئی۔ مشروطیت کے دور کی طنز نویسی دیگر ادوار سے اس لیے مختلف اور منفرد ہیں کہ اس دور میں طنز نے سیاسی آگاہی کی صورت اختیار کر لی جبکہ اس میں ہزل گوئی اور ہجو کے عناصر کم ہو کر طنز برائے اصلاح کا رخ اختیار کر گئے۔ نہضت مشروطہ (تحریک مشروطیت) کو بلا مبالغہ فارسی ادب کی تاریخ کا عہدِ تکامل و بلوغ طنز کا نام دیا جا سکتا ہے۔ فارسی کلاسیکی طنز میں اجتماعی و سیاسی موضوعات کو موضوع بحث لانے میں چند معتبر نام جیسے عبید ذاکانی اور محمد حسین صفا علی جو "نبی السارقین" کے نام سے معروف رہے ہیں، جدید ایرانی ادب میں شہرت رکھتے ہیں۔

طنز و مزاح میں دیگر نمایاں چہرے ذبیح بہروز، ایرج اور صادق ہدایت ہیں۔ صادق ہدایت کی قضیہ نویسی (پیروڈیز) طنز و مزاح سے بھرپور ہے۔ ایران میں قاجاری دور میں پریس کے انقلاب کے ساتھ ہی بنیادی حقوق کے حصول کے لیے نہضت مشروطہ کے نام سے ایک سماجی ادبی اور سیاسی تحریک کا بھی آغاز ہوا جو ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۱ء تک عروج پر رہی۔ اس تحریک میں ترقی پسند سوچ کے دانشور، ادیب، شاعر اور سیاست دانوں نے شرکت کی۔ اس تحریک نے بیشتر فارسی شعر و ادب کو متاثر کیا۔ اس دور کی شعر و شاعری میں تحریک مشروطیت کی سیاسی جھلک عیاں ہے۔ اس دور کے شعراء کو قید و بند کی صعوبتیں، جبری جلاوطنی، پھانسی اور نظر بند کی زندگی گزارنی پڑی۔ اس تحریک میں ہر ایک ادیب اور شاعر نے کسی نہ کسی طریقے سے اپنا کردار ضرور ادا کیا۔ تحریک مشروطیت کے مابعد بیس سالہ دور میں ۱۹۲۵ء تک ہجو گوئی اور سیاسی طنز فارسی ادب کی تاریخ میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اس دور میں معروف سیاسی طنز نویسوں میں نسیم شمال کے مدیر سید اشرف، علی اکبر دہخدا، ایرج مرزا، فرخی یزدی (جس کے ہونٹ سی دیے گئے) اور میر زادہ عشقی کے نام سرفہرست ہیں۔ تحریک مشروطیت کی کامیابی اور بنیادی آئین کی تشکیل و نفاذ کے بعد صحافت کو بے لگام آزادی ملی۔ سیاسی طنز اور ہجو کو اخبارات میں بہت زیادہ پذیرائی ملی۔ اس تحریک کے دوران طنز و مزاح اپنے طنزیہ پہلو کھو بیٹھا اور مکمل سیاسی صورت اختیار کر گیا اور ایک اہم سیاسی جد و جہد کے آلہ کے طور پر استعمال ہونے لگا۔ اس دوران فارسی شاعری میں "نقیضہ" کے نام سے ایک صنف کا اضافہ ہوا جو محض سیاسی نوعیت کی شاعری پر مشتمل ہوتی تھی۔ اس میں فحش گوئی کے پیرایہ میں سیاسی ابتری اور بحران کو سادہ مزاحیہ انداز میں زیر بحث لایا جاتا تھا۔

تحریک مشروطیت کے دور میں صحافیوں اور شاعروں کا طنز کی طرف رجوع کرنے کے کئی اسباب تھے۔ مشروطہ سے قبل طنز نویسی ایک خاص نوع کے ساتھ فارسی ادب میں رائج نہیں تھی۔ یعنی خاص سبک یا صنف کی حیثیت سے۔ مشروطیت کے دور میں چونکہ استبدادی نظام کے خلاف طنز کے پیرایہ میں سیاسی تنقید کی گئی اسلیے ہزل گوئی اور ہجو کم جبکہ شخصیات اور انکے کرداروں اور حکومتی پالیسیوں پر طنز زیادہ کیا گیا۔ اس تحریک نے فارسی کے نثری اور شعری ادب میں نمایاں فکری و فنی تبدیلی پیدا کی۔ یہ تبدیلی مخاطب، طرزِ گفتار، زبان کی نوعیت اور فکری لحاظ سے ایران کے فارسی زبان و ادب کے گذشتہ ادوار سے یکسر متفرق دکھائی دیتی ہے۔ اس دور نے شعر کی طویل بالادستی کو ختم کیا۔ شعر و نثر نے روایتی قالب سے نکل کر نئی صدی کے زمان و مکان میں تازہ سانس لینا شروع کیا۔ اس دور کی لسانی و ادبی تبدیلیوں میں سے ایک اہم تغیر طنز نگاری کی طرف ادباء کا رجحان ہے۔

بیسویں صدی کی شروعات میں ایران میں پریس کی آمد، آزاد غیر سرکاری اخبار اور مجلوں کی اشاعت کے نتیجے میں شعراء اور ادباء کو سیاسی و سماجی موضوعات پر قلم اٹھانے کی فرصت ملی۔ اس فرصت سے دہخدا نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا اور لوگوں میں استبداد کے خلاف مزاحمت اور عوام کے شعور کی بیداری میں اہم کردار ادا کیا۔ مشروطیت کے ادبی دور میں "چرند و پرند" کے نام سے دھخدا کا ایک مجموعہ جو طنز آمیز مقالات پر مشتمل تھا، شائع ہوا۔ یہ مجموعہ بیشتر سیاسی طنز پر محیط ہے جو تحریک مشروطیت کے دور کے سیاسی حالات پر لکھے گئے ہیں۔ نوعیت کے اعتبار سے چرند و پرند ایک سیاسی ہجو ہے۔ دھخدا نے اپنی اس شاہکار ہجو نگاری میں سیاسی موضوعات پر طنز کیا ہے۔ انکا یہ سیاسی طنز تحریک مشروطیت کے اواخر میں منظر عام پر آیا۔ دہخدا کا طرز نگارش پیچیدہ اور کلاسیکی ہے۔ جملوں کی ساخت اور الفاظ روح عصر کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے جدید دور میں انکے ادبی شہپاروں کو (ماسوائے امثال و حکم اور لغت نامہ کے) علمی و ادبی حلقوں میں مقبولیت عام نہیں ملی۔ جبکہ انکے مقابلے میں دیگر قد آور ادباء جیسے؛ شین پر تو، اسلامی ندوشن، جلال آل احمد، احمد کسروی، صادق ہدایت، محمد علی جمالزادہ، فروغی وغیرہ کے ادبی آثار کو زیادہ پذیرائی ملی۔

اسی طرح دہخدا کی نظموں میں ان کی نظم "روسا و ملت" میں ایک افلاس زدہ سماج اور سیاست دانوں کی بے حسی و لاپروائی کی طنزیہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح انکی طنزیہ نظم "مسمط فکاہی" میں اُن زائرین پر طنز کیا ہے جو خطیر رقم خرچ کر کے زیارت کے لیے جاتے ہیں اور انکے پڑوسی بھوک اور تنگ دستی سے جاں بہ لب ہوتے ہیں۔ (۲)

از گرسنگی مرد رعیت بہ جہنم
ور نیست درین قوم معیت بہ جہنم
تریاک بُرید عرقِ حمیت بہ جہنم
خوش باش تو با مطرب و سازندہ آ کبلائی (۳)

دہخدا کے طنزیہ مضامین کے عناوین منفرد ہیں۔ انکی چند مشہور نظمیں جیسے؛ مسمطِ فکاہی، وصف الحال لوطیانہ، بہترین کارِ خواجہ، چرند پرند (نثر)، مکتوب یکی از مخدرات (نثر)، برگزیدہ ای از مجمع الامثال دخو (کہاوتوں کی پیروڈی)، نقیضہ یا قضیہ نویسی (پیروڈیز) معروف عام ہیں۔ دہخدا نے ضرب الامثال اور

محاورات کو سنجیدگی سے نکال کر انہیں طنزیہ رنگ دیا ہے۔ محاورات میں اضافہ یا حذف سے اسکو ایک نئی صورت و معنی بخشتے ہیں۔ بطور نمونہ سعدی شیرازی کے شعر:

سگی را گر کلوخی بر سر آید ز شادی بر جهد کاین استخوان است

کا پیروڈی دہخدانے دوسرے مصرے کو تبدیل کر کے طنزیہ بنادیا ہے۔

"سگی را گر کلوخی بر سر آید، یقیین می کند کہ بچہ ہای مسلمان دار نداز مکتب خانہ برمی گردند"۔(۴)

مشروطیت کے دور میں سیاسی طنز سے ہٹ کر معمول کا طنز و مزاح لکھنے والوں کو طعنہ دیگر "دلقک" کہا جاتا تھا۔ دلقک فارسی میں اس مسخرہ شخص کو کہا جاتا جو حکمائے وقت کے درباروں میں لوگوں کو ہنسا کر انکے لیے تفریح کا سامان مہیا کرتا تھا۔ مشروطہ کے شاعروں کی نزدیک بلا ہدف طنز گو "دلقک" ہی ہو سکتا ہے، سماج کو اس کی شاعری کا کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ باہدف سیاسی طنز سے متعلق "ہذیان ہای من" (میری بکواسیات) دہخدا کا ایک اور طنزیہ موضوع ہے۔ جو اس وقت کی نمایندہ طنزیہ شاعری کے نشریہ "صورِ اسرافیل" میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہا۔ نشریہ 'صورِ اسرافیل' میں دہخدا کے شائع ہونے والے طنزیہ اشعار کے علاوہ دہخدا کے کئی طنزیہ مقالات اس دور میں کتابی صورت میں منظر عام پہ آگئے۔(۵)

دہخدا کے دور میں سرکاری محکموں میں غیر ضروری تقرریاں ہونے لگیں، جس طرح پاکستان میں 'کھمبہ پوسٹ' فوج کی تاریخ میں مشہور تقرری ہے۔ اسی طرح دہخدا کہتا ہے کہ قاجاری دور میں کریم خان زند کو جب اقتدار ملا تو سابقہ حاکم کے نوکروں سے انکے فرائض اور منصب کے بارے میں پوچھا۔ جب عقاب کی نگہداشت کرنے والے شخص کی باری آئی اور اسکی ڈیوٹی کے بارے میں پوچھا گیا تو نوکر نے جواب دیا؛ میں شاہ کے عقاب کو صحرا لے جاتا ہوں اور اس عقاب کے ذریعے پرندوں کا شکار کرتا ہوں۔ کریم خان نے پوچھا شکار کے بعد ان پرندوں کا کیا کرتے ہو؟ نوکر نے کہا پھر ان پرندوں کو عقاب کے سامنے ڈالتا ہوں کہ وہ کھائے اور توانا ہو۔ کریم خان نے کہا یہ زحمت کیوں کرتے ہو؟ عقاب کو رہنے دو وہ اپنے لیے خود شکار کرے اور خود کھا لے۔(۶) دہخدا کی بیشتر طنزیہ شاعری کو "زہر خند" یعنی تلخ مزاح کہا جا سکتا ہے۔ اس قسم کی شاعری کو انگریزی میں Black Humor کا نام دیا گیا ہے۔ فارسی شاعر ایرج کے سیاسی طنز جو ہجو نامہ کے نام سے معروف ہے، ایک زہر خند ہے۔ اس نے یہ زہر خند اپنے حاکم وقت قوام السلطنہ کے خلاف کہا ہے اور اس میں اپنے بھائی وثوق الدولہ کو بھی نہیں بخشا۔

بیسویں صدی کی ابتدائی دو دہائیوں میں بیشتر سیاسی شعراء کے اشعار میں ہجو اور بدزبانی پائی جاتی ہے۔ اس دور میں پریس سے وابستہ شعراء نے حکام کی ذات کو ہدف بنایا۔ صرف ایک شاعرہ جس نے اپنی زبان اور قلم کو طنز و مزاح سے پاک رکھا، پروین اعتصامی ہے۔ سیاسی طنز سے پرہیز اور حکام وقت پر بلاواسطہ طنز نہ کرنے کی وجہ اسکے والد یوسف اعتصام الملک کی دربار سے وابستگی اور وزارت کے عہدے پر فائض ہونا تھا۔ پروین اعتصامی کے پورے دیوان میں وعظ و نصیحت کے پیرائے میں بادشاہوں اور حکام کے بارے میں بھی پند آموز اشعار موجود ہیں۔ مثال کے طور پر نظم "اشکِ یتیم" میں حاکم وقت کی بے انصافی اور بدعنوانی کا تذکرہ موجود ہے۔ آزاد پریس کے دور میں آزاد نشر و اشاعت کے دوران دہخدا کے مقالوں کا سلسلہ جو "چرند پرند" کے

نام سے روزنامہ "صوراسرافیل" میں نشر ہورہا تھا، تند و تیز لہجے میں حکام کی رسوائی کا باعث بن گیا۔ شگفت انگیز بات یہ ہے کہ اس ہیجانی سیاسی وادبی تحریک کے دور میں دہخدا حاکمان وقت کے عتاب سے محفوظ رہا۔ چونکہ انکا بیشتر وقت لغت نامہ کی تدوین میں صرف ہوااور سیاست میں عملی طور پر حصہ نہیں لیا،اس لیے مشروطیت کے سیاسی تگ ودو میں دیگر شعراءواد باء کے مقابلے میں ان کا نام تذکروں میں زیادہ نہیں آیا۔(۷)

ایران میں نشرواشاعت کی آزادی اور سیاسی اتار چڑھاؤ کے دوران دوسری عالمی جنگ کے خاتمے تک فارسی کے بیشتر شعراء سیاست کے میدان میں آگئے۔ انہوں نے انتخابات میں مجلس شورای ملی کے نمایندے کے امیدوار کی حیثیت سے الیکشن لڑے۔ اکثر شعراءانتخابات جیت کر مجلس شوری ملی میں آگئے اور قانون سازی کے دوران حاکم وقت کے ساتھ انکا تصادم ہوا۔ شاہ ایران نے پارلیمنٹ منحل کی اور اسکے بعد شعراء و اد باء عوام میں شعور اجاگر کرنے کی غرض سے سیاسی موضوعات کو زیر بحث لائے۔ سیاسی اصلاحات اور بنیادی آئین کے حصول کے ہراول دستے کے طور پر شعراء نے اہم کردار ادا کیا۔ اس ضمن میں امیر کبیر اور ابولقاسم قائم مقام جیسے سماجی کارکنوں نے طویل جدوجہد کی۔ ایران میں سیاسی و سماجی شعور کی بیداری میں جہاں پریس نے اہم کلیدی کردارادا کیاوہاں شعراءواد باء نظم ونثر کے پیرایہ میں عوامی شعور کی بیداری میں پیش پیش رہے۔ سیکولر جمہوریت کے فروغ کے لیے ایران کے مشہور مورخ اور دانشور احمد کسروی (۸) کی کاوشیں قابل قدر ہیں۔ انہوں نے ایران میں مشروطیت کی جڑوں کی آبیاری اور ایران کو ایک طویل ذہنی جمود سے نکالنے کے لیے جدوجہد کی۔ قلیل مدت میں تحریک مشروطیت کو ناکامی سے بچانے اور اس تحریک میں نئی روح ڈالنے کے لیے کسروی نے جان کی بازی لگائی۔(۹) دہخدا کی دیگر سیاسی نظموں جیسے؛انشاءاللہ گربہ است، مرگ، چہار زانو وغیرہ جو نسبتاً سنجیدی گفتگو کے حامل ہیں اسی تحریک سے متعلق ہیں۔(۱۰) دہخدا نے "درچنگ دزدان"، "دانم دانم"، "بہترین کارِ خواجہ"، "فکر فردا"، 'نیکوکار و بدکنش'، 'خوش آمدی'، 'بکار باش' اور 'سہل انگاری' جیسی طنز آمیز نظموں میں مشروطیت کے دور کی بے سروسامانی اور دانشوروں، اہل قلم اور سیاسی مزاحمت کاروں کو مختلف طریقوں سے زیر عتاب رکھنے پر بحث کی۔ بلا تردید موصوف نے طنز ومزاح کو ایک آلہ کار کے طور پر عوامی شعور کو اجاگر کرنے اور اس دور کی سیاسی بے چینی کو ایک خوبصورت پیرایہ میں بیان کرنے کے لیے استعمال کیا۔

> درودیان کے بقول دہخدا نے شاعری کا آغاز عامیانہ شاعری سے کیا، لیکن ۱۲۹۹ ھجری
> کے فوجی بغاوت کے بعد جو سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں اسکے نتیجے میں مشروطیت کے
> شعر میں رمز وایما کا اضافہ ہوا۔ اسی طرح دہخدا کی شاعری بھی تبدیل ہو کر ایک نئی سمت اختیار کی۔(۱۱)

گرچہ دہخدا سیاست کے میدان میں کھل کر سامنے نہیں آئے اور نہ ہی بہار مشہدی، فرخی یزدی، عارف قزوینی، لاہوتی اور میر زادہ عشقی کی طرح تند و تیز لہجہ اپنایا بلکہ اس تحریک کے ایک خاموش اور گمنام سپاہی کے طور پر کام کیا۔ ان کی طنزیہ نظموں کا اگر جائزہ لیا جائے تو ان نظموں میں سماج کی فرسودہ رسومات، بے حسی اور ملک کے سیاسی و معاشی معاملات میں حکام کی عدم دلچسپی پر زیادہ طنز موجود ہے۔ انکی شاعری کا ہدف بھی وہ اشخاص ہیں جو اپنی تقدیر کا بھاگ دوڑ نااہل حاکموں کے سپرد کر کے اپنی ازلی بدقسمتی کا رونا روتے ہیں اور اسکو نوشتہ فلک سے منسوب کرتے ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ سیماداد، فرہنگ اصطلاحات ادبی، انتشارات مروارید تہران، چاپ سوم ۱۳۸۵، ص ۳۴۰
۲۔ شفیعی کدکنی، محمد رضا، ادوار شعر فارسی از مشروطیت تا سقوطِ سلطنت، چاپ توس تہران ۱۳۵۸ش، ص ۸۶
۳۔ درودیان، ولی اللہ، بر گزیدہ و شرح آثار دھخدا، چاپ فرزان تہران ۱۳۸۵ھ ش، نظم مسمط فکاہی، ص ۳۷
۴۔ گزینہ اشعار و مقالات علامہ دہخدا، انتخاب و شرح، دکتر حسن احمدی گیوی، نشر قطرہ، ۱۳۷۲ش، ص ۴۹
۵۔ مقالات دہخدا (چرند پرند، مجمع الامثال دخو، ہذیانہای من، یادداشتہای پراکندہ) بہ کوشش دکتر سید محمد دبیر سیاقی، تہران، ۱۳۵۸ش، انتشارات علمی، صص۔ ۲۴۹۔ ۲۶۴
۶۔ دہخدا، علی اکبر، امثال و حکم، جلد چہارم، بی تا، بی جا، ص ۱۸۹۵
۷۔ خاطراتِ دہخدا از زبان دہخدا، دکتر محمد دبیر سیاقی، چاپ پاپا تہران، ۱۳۵۹ش، مباحث تمہیدی
۸۔ یزدانی، سہراب، کسروی و تاریخ مشروطہ ایران، نشرنی، تہران، ۱۳۷۶ش، ص ۶۶
۹۔ یزدانی، سہراب، کسروی و تاریخ مشروطہ ایران، نشرنی تہران، ۱۳۷۶، ص۔ ۴۴
۱۰۔ حمیدی، مہدی، دریای گوہر، ج۔۳ (شامل گزیدہ اشعار شعرا و گویندگان معاصر)، چاپ سوم ۱۳۴۹ھ، انتشارات امیر کبیر تہران۔ ص ۱۱۷
۱۱۔ درودیان، ولی اللہ، بر گزیدہ و شرح آثار دھخدا، چاپ فرزان تہران ۱۳۸۵ھ ش، ص، ۲۲